دلایا گیا ہے۔ آیت ۴۱ میں اس چیز پر ایمان لانے کو کہا گیا ہے جسے خدائے عزوجل نے ''أَنزَلْتُ مُصَدِّقاً لِّمَا مَعَكُمْ'' کہا ہے۔ آیت نمبر ۴۲ میں کتمان حق سے منع کیا گیا ہے۔ آیت نمبر ۴۳ میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور پھر آیت نمبر ۴۶ میں ''أَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ'' کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔ میاں صاحب! بنی اسرائیل کو یہاں آیت ۴۰ تا ۴۶ میں براہ راست جو کچھ کہا جا رہا ہے، کیا یہی باتیں ان متقین کی صفات نہیں ہیں جن کا تذکرہ سورۃ البقرۃ کے بالکل ابتدائی آیات میں ہوا ہے: ''الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ o وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ''۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ان صفات کی حامل متقی شخصیت یہی ملکوتی رویہ اپنائے گی اور حق کے سامنے سرنگوں (Surrender) ہوگی۔

جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا، قرآنی علمیات کے رہنمایانہ منہاج میں آپ سے لغزش ہوئی ہے۔ رہنمایانہ منہاج کے لیے آپ نے حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے واقعے سے متعلق آیات کا انتخاب کیا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے:

''وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلاَئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ''

یہاں ایمان بالغیب کی تعبیر امکانات کو چھونے کی خواہش اور سکت کے نظریے سے Pre-Minded ہوتے ہوئے آپ نے لکھا ہے: ''خلیفہ کے بارے میں فرشتوں کی یہ جانکاری کی وہ زمین میں فساد اور خونریزی برپا کرے گا، خدا ہی کی عطا کردہ تھی۔'' (ایضاً ص ۲۱) اور اس کے لیے آپ نے آیت نمبر ۳۲ کے الفاظ ''لاَ عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا'' سے استدلال کیا ہے۔ اگر آیت نمبر ۳۰ میں ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ'' کے الفاظ نہ ہوتے تو آپ کا مذکورہ استدلال درست ہوتا۔ اس آیت سے صریحاً واضح ہے کہ فرشتوں نے لفظ ''خلیفہ'' کی بنا پر ایک امکانی بات کی جو ادھورے سچ کے مترادف تھی، یعنی وہ انسانی تخلیق کی مکمل اسکیم سے واقف نہیں تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ میں جانتا ہوں وہ کچھ جو تم نہیں جانتے۔ اگر اللہ نے فرشتوں کو بتا دیا تھا کہ انسان زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا جیسا کہ آپ نے لکھا ہے تو پھر ''إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ'' کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ شاید آپ اس کا جواب یہ دیں کہ انہیں انسان کے اسی خاص پہلو کے متعلق بتایا گیا تھا۔ میری گزارش ہوگی کہ اس مفروضے کی بنیاد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ ان کے ساتھ مذاق تو نہیں کر رہا تھا کہ آدھی بات بتا دی اور آدھی رہنے دی۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر انسان کے خلیفہ بنائے جانے سے آگاہ کیا۔ 'خلیفہ' (یعنی صاحب اختیار) کے لفظ سے فرشتوں نے ایک امکانی بات اخذ کی جو معاملے کے سارے پہلوؤں کو محیط نہ تھی، یعنی یہ کہ یہ صاحب اختیار مخلوق زمین میں فساد برپا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد اللہ نے فرشتوں کے نہ جاننے کو جاننے میں تبدیل کرنے کے لیے پہلے حضرت آدمؑ کو ان کی ''صالح ذریت'' کی فہرست دکھائی (یا ان نیک بندوں کی صورتیں دکھائیں) پھر ان نیک بندوں کی بابت فرشتوں سے دریافت کیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ان لوگوں کے متعلق، جو سب کے سب نیک اور متقی ہوں گے، تمھاری کیا رائے ہے؟ فرشتوں نے اللہ کی مکمل سکیم کی نوعیت کو سمجھنے سے معذوری ظاہر کی اور شک کرنے سے گریز کیا

اور کہا کہ اے خدا! جس امکانی بات کا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اسے کل سمجھتے ہوئے ہم نے ٹھوکر کھائی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امکانی بات کرنا بذات خود غلط نہیں، بلکہ اچھی چیز ہے لیکن مزید امکانات کا اندازہ کرنے کے بعد صرف اپنے ''امکانی علم'' پر ہٹ دھرمی اختیار کرنا اور اس پر اڑے رہنا غیر مستحسن رویہ ہے۔ اب اللہ نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ ان لوگوں سے فرشتوں کا تعارف کرا دیں۔ اس کے بعد اللہ نے کہا کہ اب کہو، کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ غیب کا علم میرے پاس ہے، اور میں اس چیز کو بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ (۲: ۳۳)

میاں صاحب! ''وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ'' کے بارے میں آپ کی رائے بہت صائب ہے یعنی یہ کہ ''اس وقت تک ابلیس نے اپنے انکار اور گھمنڈ کو چھپایا ہوا تھا''، لیکن اس آیت مبارکہ میں ''الاسماء'' سے علوم وفنون مراد لینا، جو قتل وخونریزی کو مغلوب کرنے والے ہوں گے، میرے خیال میں قرآن پاک کے Context کے خلاف ہے۔ آپ نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ ''الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا'' سے علوم وفنون مراد لینے کی کیا دلیل ہے؟ ان علوم وفنون کو ان امکانات تک پھیلانا جو مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ فساد اور خونریزی کی نئی نئی صورتوں کے ظہور کے جواب میں مسیحائی کردار ادا کریں گے، ایک پرتکلف بات لگتی ہے۔ اگر آپ ''اسماء'' کے لیے استعمال کی جانے والی ضمائر پر غور کریں تو واضح ہوگا کہ اس سے مراد ذریت آدم ہی کے نام ہو سکتے ہیں۔

قرآنی علمیات سے روگردانی کے ضمن میں حضرت ابراہیمؑ اور قربانی کے واقعے کی بحث کافی فکر انگیز ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ذبیح اسماعیلؑ تھے یا اسحٰقؑ، آپ نے ''باپ کے فیضان نظر'' کا بہت پرحکمت مقام دریافت کیا ہے جس کا تعلق علم سے زیادہ متقین کے رویہ سے ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے دلائل کافی مضبوط اور دعوتی مزاج کے حامل ہیں۔ ابن ابراہیمؑ کے بجائے ابراہیمؑ ہی کی شخصیت کو نمایاں کرنا یہاں قرآن پاک کا مطمح نظر دکھائی دیتا ہے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ آپ ''مدبرین'' کی تحقیق وتفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے دعوتی مزاج کی بلندی کو برقرار نہ رکھ سکے۔ 'ذبیح کون' کی بحث کو امکانی فساد سے تعبیر کرنا میرے خیال میں ضرورت سے زیادہ سخت تبصرہ ہے۔ مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ آپ نے فراہی مکتب فکر کو نسلی تفاخر جیسی بیماری میں مبتلا بتایا ہے جبکہ یار لوگ انھیں ''اغیار دوستی'' کا طعنہ دیتے ہیں۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اللہ ہمیں پندار کا صنم کدہ ویراں کرنے اور حق کے کوئے ملامت کا طواف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا خیر اندیش
یوسف خان جذاب
GHS، نار شکر اللہ، بنوں

(۲)

بخدمت گرامی قدر مخدومی حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ